لاہوری احمدیوں میں ترجمہ و تفسیرِ قرآن کی روایت

(محمد علی لاہوری کی بیان القرآن کا خصوصی مطالعہ)

(Translation and Exegeses of the Quran in *Lāhorī Ahmadī* Tradition: A Study of *Bayān al-Quran* by Muhammad *Alī Lāhorī*)

*محمد ریاض

Abstract:

Qurānic translation and exegesis has been a very important subject in the *Qurānic* Sciences. Scholars of the Quran have produced a bulk of literature in this field. Indo-Pak subcontinent has also a very strong tradition in the referred discipline. A *Qādiyānī Ahmadī* scholar, Muhammad Ali *Lāhorī* translated and explicated the Quran in an *Ahmadī* perspective. This article studies his translation and exegesis named *"Bayān al-Qurān"*. It concludes that the work has some worth but number of mistakes and flaws. Due to its deviation from basic creeds and principles of Islam, it cannot be consider a true or balanced interpretation of the Quran.

Keywords: Quran, Exegeses, *Bayān al-Qurān*, *Lāhorī*

مذہبی کتب میں قرآن کی حیثیت مسلمہ اور ناقابلِ انکار ہے۔ نزولِ قرآن کے بعد ہی سے اس کی تعبیر و تشریح کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ اس کے الفاظ و آیات کی اولین وضاحت پیغمبر اسلام ﷺ کے سنن و فرامین کی شکل میں ملتی ہے۔ اس کے بعد آں جناب ﷺ کے صحابہ کرام اور بعد ازاں تابعین و تبع تابعین نے قرآن کی توضیح و تفسیر میں امکانی کاوشیں کیں۔ لیکن تفسیر قرآن کے باب میں یہ کاوشیں بالعموم قرآنی آیات والفاظ کی جزوی تشریحات پر مشتمل تھیں۔ مرورِ ایام کے ساتھ ساتھ تمام آیات قرآنی کی باقاعدہ تفسیر کا سلسلہ شروع ہوا۔ وقت کے ساتھ ساتھ اشاعت اسلام کی وسعت کے تناظر میں مختلف زمانوں اور علاقوں میں قرآن کی تفاسیر وجود میں آئیں۔

---

*پی ایچ ڈی سکالر، شعبۂ اسلامی و عربی علوم، یونی ورسٹی آف سرگودھا، سرگودھا

دیگر خطہ ہائے ارض کی طرح برصغیر پاک وہند میں اردو میں قرآن مجید کے ترجمے اردو تفسیر کا سلسلہ تیرھویں صدی سے شروع ہوا۔ خانوادۂ شاہ ولی اللہ، شاہ رفیع الدین دہلوی، شاہ عبدالقادر دہلوی نے اس کا آغاز کیا۔اس سلسلے میں مختلف علمائے کرام نے علمی طبع آزمائی فرمائی۔ مختلف گروہوں اور مسالک کی جانب سے سامنے آنے والی تفاسیر میں سے ایک محمد علی لاہوری کی بیان القرآن ہے۔ مسلمانوں کے روایتی عقیدہ ختم نبوت سے انحراف کے نتیجے میں وجود پذیر ہونے والے قادیانی گروہ سے تعلق رکھنے والے محمد علی لاہوری کی یہ تفسیر اپنے فرقے اور مذہب میں نہایت نمایاں مقام کی حامل ہے۔ان سطور میں قادیانی گروہ کی لاہوری شاخ کے اس نمایاں فرد کی تفسیر بیان القرآن کا مطالعہ مطلوب ہے۔ تفسیر کے مطالعہ سے پہلے صاحب تفسیر کے مختصر احوال جاننا ضروری ہے۔

محمد علی لاہوری: احوال وآثار

ضلع جہلم کے جنجوعہ راجپوت خاندان کا ایک فرد ہری چند معاش کی تلاش میں دوآبہ بست جالندھر سے دو میل کے فاصلے پر آباد کھرلہ "کنگرہ" کی بستی میں آباد ہوگیا۔ چونکہ اس کی بیشتر آبادی مسلمان اور آرائیں قوم کی تھی۔اس لیے ہری چند بھی مسلمان ہوگیا اور اس کا اسلامی نام ابراہیم رکھا گیا۔اور اس کی اولاد (غوثا، فاجا، قادرا) بھی آرائیں ہی شمار ہونے لگی۔ غوثا کے دو بیٹے قطب الدین اور محکم الدین ہجرت کر کے موضع مرار ریاست کپور تھلہ آگئے۔ یہاں کے مسلمان دیوانِ اعلیٰ نے وسیع رقبہ اراضی برائے کاشت وآبادکاری ان کو دیا۔1860ء میں مہاراجہ نہال سنگھ کی طرف سے سالم موضع محکم الدین کے اکلوتے بیٹے حافظ فتح الدین کو عطیہ کے طور پر ملا۔حافظ فتح الدین ولد محکم الدین کے ہاں چھے بیٹوں اور ایک بیٹی (بشمول محمد علی) نے جنم لیا۔

محمد علی، دسمبر 1874ء میں موضع مرار میں پیدا ہوئے۔ان کو اپنے بڑے بھائی عزیز بخش کے ساتھ دیپال پور کے ایک اینگلوورنیکلر سکول میں داخل کرادیا گیا۔ بعد ازاں حافظ فتح الدین نے گورنمنٹ کالج لاہور میں دونوں بھائیوں کو داخل کرادیا۔ 1892ء میں عربی اختیاری کے ساتھ ایف اے اور ریاضی کے ساتھ 1894 ء میں بی اے اول پوزیشن سے پاس کیا۔ان کے استاد نے ان کے سرٹیفکیٹ پر یہ لکھا کہ محمد علی ہمارے کالج کا بہترین ریاضی دان ہے۔محمد علی نے گورنمنٹ کالج لاہور سے 1896ء میں ایم اے انگریزی کیا اور دوران تعلیم ہی اسلامیہ کالج لاہور میں ریاضی کے استاد مقرر ہوگئے۔ یہاں ہی خواجہ کمال الدین صاحب سے ان کی ملاقات ہوئی۔1897 میں انھوں نے اورینٹل کالج لاہور میں ملازمت کرلی اور 1899 تک وہی ریاضی کے استاد رہے۔اسی دوران ایل ایل بی میں داخلہ لے لیا تھا اور تینوں امتحان امتیازی حیثیت سے پاس کرلیے۔

محمد علی کو 1890 میں اپنے ہم جماعت منشی عبدالعزیز صاحب عرف بھائی جان کے ذریعے مرزا غلام احمد کا تعارف ہوا،اور غلام احمد کی کتاب ازالہ اوہام ملی۔ جس کے بعد دونوں بھائی اور ان کا والد مرزا غلام احمد سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ محمد علی کو قادیانیت کی طرف مائل کرنے میں دوسرا بڑا کردار خواجہ کمال الدین کا ہے۔ مسٹر محمد علی کراچی میں

قیام پذیر تھے۔ 13اکتوبر1951 بمطابق 10 محرم الحرام 1371 ھ کو بیماری کا شدید حملہ ہوا۔ صبح فجر کے بعد کچھ طبیعت سنبھلی تو ہلکا سا ناشتہ لیا لیکن فوراً طبیعت میں بگاڑ آگیا۔ جس پر ڈاکٹر نے نو بجے کے قریب نیند کا انجکشن لگایا تو غنودگی ہوگئی۔اور اسی حالت میں ساڑھے گیارہ بجے انتقال ہوگیا۔

مسٹر محمد علی لاہوری کی وفات کی خبر 13اکتوبر کی شام کو ریڈیو پاکستان، آل انڈیا ریڈیو اور وائس آف امریکہ سے نشر ہوئی۔ ان کی میت کو کراچی سے لاہور بذریعہ پاکستان ریل لایا گیا اور نماز جنازہ اُن کے بھائی عزیز بخش نے پڑھائی اور اگلے روز رات ساڑھے نو بجے میانی صاحب میں انجمن کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔

لاہوری گروپ کا تعارف

دنیا میں جتنے فرقے، گروہ، مسلک وغیرہ آئے ان کا آپس میں اختلاف کا وقوع ایک ایسا بدیہی امر ہے جس سے کسی کو انکار نہیں۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے مرنے سے پہلے وصیت کی تھی کہ احمدی جماعت میں سے ایک مجلس تشکیل میں لائی جائے جو امیر کا انتخاب کرے۔ یہ امیر ان کا روحانی پیشوا ہوگا۔ مرزا صاحب کی وفات کے بعد ان کی وصیت کے مطابق حکیم نورالدین خلیفہ اول کی حیثیت سے ان کے جانشین قرار پائے۔ صاحب ممدوح مرزا صاحب کی تعلیمات کے آخر دم تک مکمل پابند رہے۔ مرزا صاحب کی جانشینی کے لئے ایک ایسے شخص کا انتخاب جو ان کے خانوادہ سے وابستہ نہ تھا جو شیلے مریدوں کے لئے اس امر کا موجب ہوا کہ وہ جدید مہدی کا انتظار کرنے لگے، جو مرزا صاحب کی نسل سے ہوگا۔ چنانچہ خلیفہ اول مولوی نور الدین کی وفات کے بعد لوگ اسی خانوادہ والی خواہش کے تابع ہو کر مرزا محمود احمد قادیانی کو خلیفہ ثانی دیکھنا چاہتے تھے، جب کہ اسی جماعت میں کچھ لوگ اس منصب کو علم و فضل کی کسوٹی پر رکھ کر مولوی محمد علی لاہوری کے انتخاب کو زیادہ درست تصور کرتے تھے۔ اسی اختلاف رائے کی وجہ سے یہ قادیانی فرقہ بھی دو گروہوں میں تقسیم ہوگیا، جن میں سے ایک اپنے آپ کو قادیانی جب کہ دوسرا لاہوری کہلوانے لگا۔ لہٰذا اسی اختلاف رائے کی وجہ سے یہ دونوں فرقے فروعی مسائل میں بھی کچھ نہ کچھ اختلاف کرنے لگے۔ البتہ اصول میں ان دونوں کا اختلاف نہ ہونے کے برابر ہے۔ اور مبادی میں متحد الخیال نظر آتے ہیں۔

قادیانیوں کا لاہوری گروہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ مرزا غلام احمد صاحب معجزات والے نبی نہ تھے، بلکہ ان کی حیثیت ایک ملہم و محدث کی تھی۔ مرزا صاحب کی تحریروں سے بھی ان کا ملہم ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ جب کہ قادیانی جماعت (جو کہ قادیان کے نام سے ہی موسوم ہے) مرزا صاحب کو رسول تسلیم کرتی ہے، اور ان کو انھی صفات کے ساتھ مختص کرتی رہی ہے جو خاصہ انبیا ہیں۔ مثلاً ان کے نام کے ساتھ " علیہ السلام " لکھا جاتا ہے۔ ان کے مریدین اور متبعین ان کے معجزات سے ان کی نبوت کو بھی ثابت کرتے ہیں۔ جب کہ لاہوری گروہ نے مرزا قادیانی کے نبوت کے متعلق اپنا عقیدہ یہ ظاہر کیا کہ وہ مجازی طور پر نبی کہے گئے حقیقی نبی نہ تھے۔ مرزا قادیانی نے جن جن الفاظ کے ساتھ نبوت کا دعویٰ کیا ان کی یہ تاویلات کرتے ہیں۔

بیان القرآن کا مختصر تعارف اسلوب وانداز

محمد علی لاہوری نے دو جلدوں پر مشتمل اپنی اس تفسیر میں آیات کے بالمقابل ترجمہ درج کیا ہے اور تفسیری نکات حاشیے میں درج کیے ہیں۔ حواشی تفسیر میں پہلے لغوی تشریح بیان کی ہے، پھر آیات کی تشریح بیان کی ہے۔ دونوں جلدوں کی ابتدا میں مضامین کی فہرست حروف تہجی کے مطابق دی گئی ہے۔ تفسیر کی جلد دوم کے آخر میں لغات القرآن کا ضمیمہ و فہرست مضامین بھی دی گئی ہے۔ جس کی مدد سے مفردات اور مضامین کے بارے میں معلومات اور تلاش میں قاری کو آسانی سے رسائی مل سکتی ہے۔ محمد علی لاہوری نے انگریزی میں بھی ترجمہ و تفسیر لکھی تھی لیکن انگریزی ترجمے اور تفسیر کے مقابلے میں اردو ترجمہ و تفسیر میں بہت زیادہ تشریح ہے۔ الفاظ کی لغوی تشریح کے علاوہ تفسیر کے حواشی بہت زیادہ ہیں۔ اس ترجمہ کی بہت سی خصوصیات ہیں۔ ترجمہ کو عموماً الفاظ کی حد سے نکلنے نہیں دیا۔ لیکن محاورہ کو مد نظر رکھا ہے اور اگر کہیں زائد الفاظ کا مجبوری میں استعمال کرنا پڑا ہے تو انھیں خطوط وحدانی میں رکھا ہے۔ تفسیر میں ایک حصہ لغت کا ہے۔ جس میں امام راغب کی مفردات اور تاج العروس اور لسان العرب جیسی ضخیم اور مستند کتابوں کی طرف بکثرت رجوع کیا گیا ہے، اور جہاں کہیں کوئی کمی تھی اسے دوسری معتبر لغات سے پورا کر دیا ہے۔ ایک خاص چیز یہ ہے کہ چونکہ عربی زبان میں وسعت بہت زیادہ ہے، اس لئے الفاظ کے وہ تمام معنی جو پچھلے شارحین اور لغات لکھنے والوں نے دیے ہیں، وہ درج کر دیے ہیں اور جو معنی خود لیے ہیں ان کی وجوہات دے دی ہیں، تاکہ پڑھنے والے کے سامنے سب پہلو آجائیں اور ہمیشہ کے لیے ان ضخیم کتابوں کا گویا خلاصہ آئندہ ریسرچ کرنے والوں کے لئے ایک جگہ جمع ہو جائے۔ تفسیر کے جن اصولوں کی مد نظر رکھا ہے وہ یہ ہیں کہ قرآن کے ایک موقعے کا حل دوسرے موقع سے کیا جائے اور یہ اصول خود اسی پاک کتاب میں موجود ہے۔ جہاں معنی میں اشتباہ ہو وہاں خود قرآن پاک میں دوسری جگہ وضاحت کو تلاش کیا ہے۔ دوسری بات یہ مد نظر رکھی ہے کہ احادیثِ صحیحہ کو تفسیر میں اور باتوں پر مقدم کیا جائے۔ اس غرض کے لئے امام بخاری کی کتاب التفسیر، تفسیر ابن جریر اور تفسیر ابن کثیر کو سامنے رکھا ہے۔ لیکن روایات اور احادیثِ قصص کو بہت احتیاط سے قبول کیا ہے۔ اگر کوئی چیز قرآن کریم کی صراحت کے خلاف یا اصول دینی کے خلاف نظر ہو تو اس کو رد کر دیا ہے۔ پھر ایک بات جس پر بہت زور دیا ہے، وہ ترتیب قرآن ہے اور تین قسم کی ترتیبوں کی طرف خصوصیت سے توجہ دلائی ہے۔ اوّل آیات میں باہمی تعلق جہاں جہاں ضرورت تھی، حواشی میں ظاہر کیا ہے۔ دوئم، ہر سورت کے رکوعات میں باہمی تعلق اور سوئم، سورتوں میں باہمی تعلق۔ ہر رکوع کا خلاصہ اس رکوع کے نیچے دیا ہے اور ہر سورت کے شروع میں ان تمام خلاصوں کی ترتیب اور نظم کو ظاہر کیا ہے، اور سورتوں کے باہمی تعلق کو تفصیلاً بیان

کیا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی ایک تفاسیر کو سامنے رکھا ہے، جن کے حوالے بکثرت دیے ہیں۔ مثلاً تفسیر بحر المحیط، تفسیر کبیر امام رازی، تفسیر بیضاوی، تفسیر غرائب القران، تفسیر فتح البیان، تفسیر کشاف وغیرہ۔[1]

بحیثیت مجموعی تفسیر کا اسلوب اکیسویں صدی کی جدید تفاسیر قرآن سے ملتا جلتا ہے۔ مثلا عام فہم انداز میں تفسیر قرآن، جدید رجحانات، عصر حاضر کے مسائل کی نشان دہی، ضرورت اور ان کے حل کے لئے تجاویز وغیرہ۔ اگرچہ مؤلف کا اسلوب بیان انتہائی سلیس، آسان اور واضح ہے۔ مگر اس نے اپنی اس متوسط حجم کی تفسیر میں جماعت احمدیہ کو مد نظر رکھتے ہوئے تفسیری نکات بیان کیے ہیں۔ باوجود اسلوب بیان کی چند خصوصیات کے محمد علی لاہوری کا ترجمہ اور تفسیر امت مسلمہ کے مسلمہ عقائد و تعلیمات کے خلاف لکھی گئی ہے۔ اور باطل عقائد و نظریات کو تاویلاتِ قرآنی سے ہر ممکنہ تقویت و تائید بخشی گئی ہے۔ جس بنا پر یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ یہ تفسیر بالرائے مذموم فاسد تاویلات و تحریفات کا مجموعہ ہے۔ اور وَإِثْمُهُمَآ أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا[2] ہے (اس کا نقصان اس کے نفع پر بھاری ہے) کا مصداق ہے۔

اصول تفسیر بیان القرآن

محمد علی لاہوری نے اپنی تفسیر "بیان القرآن" کے آغاز میں تمہید کے عنوان سے درج ذیل اصول تفسیر بیان کیے ہیں:

1۔ تفسیر القرآن بالقرآن

اول یہ کہ قرآن کریم کے ایک موقع کا حل دوسرے موقعے سے کیا جائے، اور یہ اصول اس پاک کتاب نے بتایا ہے۔ متشابہات کے ذکر میں کل من عند ربنا فرما کر بتا دیا کہ ایک مقام کی تفسیر، قرآن کریم کے دوسرے مقام کے خلاف نہیں ہونی چاہیے۔ جہاں تک میں نے اس پاک کتاب پر غور کیا ہے، یہی معلوم ہوا ہے کہ کوئی مضمون اس میں ایک جگہ بطور اشارہ یا برنگ اجمال ہے تو دوسری جگہ اس کی وضاحت اور اس کی تفصیل موجود ہے، اور اس بات نے مجھے بہت سے مشکل مقامات کے حل کرنے میں مدد دی ہے۔ جہاں معنی میں اشتباہ واقع ہو وہاں سب سے بڑھ کر خود قرآن اس اشتباہ کو دور کرتا ہے۔[3]

2۔ تفسیر القرآن بالاحادیث الصحیحہ

محمد علی لاہوری نے تفسیر القرآن بالقرآن کے بعد جس بات کو اپنی تفسیر میں مقام و اہمیت دی ہے۔ وہ احادیثِ صحیحہ ہیں۔ حدیث میں امام بخاری کی کتاب التفسیر، تفسیر ابن جریر اور تفسیر ابن کثیر سے استفادہ کیا ہے۔ لیکن قبول حدیث میں چند اصول وضع کیے ہیں، جن کا وہ خود تذکرہ کرتے ہیں:

---

[1] مجاہد کبیر، 153تا154۔

[2] البقرہ 2 : 210۔

[3] لاہوری، بیان القرآن، تمہید، ب 2۔

i. کوئی حدیث خواہ وہ صحاح کی ہو قابل قبول نہیں اگر قرآن کریم کی صراحت کے خلاف ہو، یا اصول دینی کے خلاف ہو۔

ii. تفاسیر میں بہت سی اسرائیلی روایات راہ پا گئی ہیں اور ان پر اس قدر اصرار ہو گیا ہے کہ ان کے خلاف اگر کہا جائے تو بعض لوگ ناواقفی سے یہ خیال کر لیتے ہیں کہ حدیث کو رد کر دیا گیا ہے۔

iii. قصص کی احادیث پر خود محدثین نے وہ تنقید نہیں کی جو اوامر و نواہی کی احادیث پر کی ہے۔ اس لئے حدیث قصص بہت احتیاط سے قبول کرنے کے قابل ہیں۔

iv. جو باتیں احادیث میں واقعات یا مشاہدہ یا مسلمہ تاریخ کے خلاف ہوں وہ قابل قبول نہیں۔

v. احادیث بالخصوص قصص کی احادیث روایت بالمعنیٰ ہیں۔

گویا صاحب بیان القرآن یہ بتانا چاہتے ہیں کہ میری تفسیر میں واقعات، مشاہدات اور تاریخ کو فوقیت ہو گی۔ حدیث اور واقعات میں تضاد کی صورت میں حدیث مرجوح اور واقعات و مشاہدات کو ترجیح ہو گی اور یہ بات کہتے ہوئے موصوف نے حدیث بھی مطلق بیان کی۔ یعنی چاہے وہ حدیث کتنی ہی اعلیٰ درجہ کی کیوں نہ ہو ہر حالت میں واقعات کو ترجیح ہو گی اور احادیث کی صحت واقعات و مشاہدات پر موقوف ہو گی۔ اقوالِ صحابہ و تابعین کی تو پھر یہاں اہمیت ہی نہ ہو گی، جن کو موصوف نے سامنے رکھ کر اپنی تفسیر لکھی۔

3۔ تفسیر القرآن باللغۃ

تیسری بات جس کا محمد علی لاہوری نے بالخصوص ذکر کرنا ضروری سمجھا یہ ہے کہ استعمال الفاظ کے متعلق لغت کو سب سے مقدم کیا۔ جن معنوں کی اجازت لغات عربی نہیں دیتیں ان کو قبول نہیں کیا۔[4]

محمد علی لاہوری نے حدیث کے معاملے میں تو بہت سی شرائط اور جرح و تنقید کی جو کہ قرآن کے بعد تفسیر قرآن کا سب سے اعلیٰ و اقویٰ ذریعہ ہے لیکن موصوف نے لغت کے معاملے میں کافی کھلے دل کا مظاہرہ کیا اور لغت کے بارے میں یہ کیوں نہ کیا کہ تفسیر قرآن میں صرف ان لغوی معنوں کو ترجیح دیں گے، جن کی روشنی میں قرآن کی تفسیر صاحب قرآن کے منشا کے مطابق ہو سکے اور ان لغوی معنوں کو نہیں لیں گے، جن کی وجہ سے ہم اصول تفسیر کو ترک کر بیٹھیں۔ جب کہ حدیث کے معاملے میں تو موصوف نے صراحتاً بتا دیا کہ وہ حدیث جو قرآن اور اصول دینی کے خلاف ہو گی، اسے چھوڑ دیں گے یہی بات لغت کے بارے میں کہتے ہوئے ان کا قلم کیوں رک گیا۔ کیا تفسیر میں لغت کو حدیث پر مقدم سمجھتے ہیں یا ان کے نزدیک حدیث کی اتنی اہمیت نہیں جتنی لغت، واقعات اور مشاہدات کی ہے؟ اور لغت بھی عربی کی جس

---

4 لاہوری، بیان القرآن، تمہید، ب 2۔

میں مترادف اور تضاد ایک ہی لفظ میں پایا جاسکتا ہو۔ احادیث کے مقابلے میں لغت پر فوکس کرنے سے جو غلطیاں در آتیں ہیں، موصوف کی نظر ان کی طرف نہیں گئی کیا۔ مثلاً تفسیر باللغۃ کے متعلق امام شاطبیؒ لکھتے ہیں:

"لغوی معنوں کے لحاظ سے قرآن کے کئی ظاہری مفہوم اپنی ان صورتوں سے نکل جاتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان صیغوں سے اللہ کی مراد وہی تھی جو سنت نے واضح کی تو جب سنت کے اس بیان کو نظر انداز کیا جائے اور خواہش کی پیروی کے لئے ان صیغوں کے ظاہر کا اتباع کیا جائے تو ایسی سوچ کا آدمی، قرآن کی نظر میں گمراہ، کتاب سے جاہل، اندھیروں کو خطاب کرنے والا ہے جس کا راہ راست تک پہنچنے کا سوال نہیں۔"[5]

موصوف کو اب سوچنا ہوگا کہ کیا وہ تفسیر قرآن میں خواہشات اور اثبات عقائد کو داخل کرکے حدیث کی وعید میں تو نہیں آرہے؟

4۔اقوال صحابہ، محمد علی لاہوری کا مؤقف

اقوال صحابہ کے بارے میں مولوی محمد علی لاہوری کا موقف یہ ہے کہ ان سے مختلف رائے ہو سکتی ہے کیونکہ صحابہ سے اختلاف جائز ہے۔ان کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

"صحابہ کے اقوال کی میں بہت عزت کرتا ہوں لیکن کسی صحابی سے اختلاف کرنا جرم نہیں۔ صحابہ میں خود آپس میں بہت اختلاف تھے، مفسرین نے بھی ان سے اختلاف کیا ہے۔"[6]

"جو پیغام ہم منسوخ کرتے ہیں یا اسے فراموش کرادیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس جیسا لے آتے ہیں۔"[7]

آیت مَا نَنسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلِهَا أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ[8] کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"صحابی کا قول تو ویسے بھی حجت نہیں چہ جائیکہ آیت قرآنی کے بارے میں۔"[9]

---

[5] الشاطبیؒ، ابو اسحاق ابراہیم بن موسیٰ (م 790ھ)، الموافقات فی اصول الشریعۃ (بیروت، دار الکتب العربی 1427ھ)، ص 648، 651۔

[6] لاہوری، بیان القرآن، تمہید، ب 2۔

[7] لاہوری، بیان القرآن، 1/ 65۔

[8] البقرہ 2: 106۔

[9] لاہوری، بیان القرآن 66۔

5۔ سلف کے تفسیری ذخیرہ سے استفادہ کے بارے میں نظریہ

سلف کے متعلق محمد لاہوری کا نظریہ یہ ہے کہ ان کا کام قابل احترام ہے، لیکن چونکہ اب حالات بدل چکے ہیں، ہم اپنے حالات و ظروف کو مد نظر رکھ کر تفسیر کر سکتے ہیں:

> "اقوال مفسرین کے متعلق اسی قدر کہنا چاہتا ہوں کہ ان بزرگوں نے محنت کی، ان کے علم و فضل کی، ان کے عشق قرآن کی میرے دل میں بے حد عظمت ہے اور ان کی خدمت قرآن کے سامنے میں اپنی اس کاوش کو ناچیز خدمت سمجھتا ہوں لیکن حالات زمانہ کے اثر سے کوئی شخص خالی نہیں ہو سکتا آج اس زمانے میں نئے علوم نے قرآن کی عظمت کو اور بھی بڑھا دیا ہے۔ میرے خیالات حالات زمانہ سے متاثر ہو کر غلط ہو سکتے ہیں مگر خدا کے کلام کے ایک حرف کو بھی کوئی علم باطل نہیں کر سکتا۔ ہاں اپنے زمانہ کے مطابق جو علوم ہوں ان کی روشنی میں ہی ہم جو کچھ خدمت کر سکتے ہیں کرتے ہیں۔" [10]

گویا کہ آئمہ سلف سے نقل واخذ میں محمد علی لاہوری نے حالات اور زمانہ کو رکاوٹ بنایا ہے۔ آپ کے نزدیک ہر مفسر اپنے زمانہ سے متاثر ہو کر تفسیر لکھتا ہے۔ لہٰذا میں بھی اپنے زمانہ کے نئے علوم کی روشنی میں تفسیر کروں گا، گویا کہ موصوف اقوال سلف کے مقابلے میں حالات زمانہ کو زیادہ قوی اور قابل اعتبار سمجھتے ہیں۔ ایک جانب ابتدائے تفسیر میں مفاتیح الغیب، روح المعانی، تفسیر ابن کثیر کو ماخذ و مصادر کے طور پر بیان کیا۔ دوسری جانب ان کے عدم اخذ و نقل کا اقرار بھی کیا۔

جب کہ آئمہ مفسرین نے واضح طور پر بتا دیا ہے کہ جو سلف سے نقل کے بغیر محض اپنی رائے سے بات کہتے یا مجرد لغت کو بنیاد بناتے ہیں اور مجاز پر لفظ کو محمول کرتے ہیں اور نئے مطالب و عجیب تاویلات نکال لاتے ہیں وہ اہل البدع میں شامل ہے۔ نیز آئمہ امت نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ ایسی تفاسیر بھی باطل ہیں اور ان کا ابطال کسی نہ کسی جہت سے واضح اور نمایاں ہو جاتا ہے۔[11]

مآخذ تفسیرِ بیان القرآن

محمد علی لاہوری نے تفسیری مآخذ امہات کتبِ تفاسیر کو قرار دیا ہے۔ ان کے تفسیری مآخذ میں جامع البیان عن تفسیر آی القرآن از ابن جریر طبری (م 310ھ)، الکشاف عن حقائق التنزیل ابو قاسم محمود بن عمر الزمخشری (م538ھ)، غرائب القرآن و رغائب الفرقان نظام الدین حسن بن محمود النیشا پوری (559ھ)، انوار التنزیل واسرار التاویل از ناصر الدین

---

[10] لاہوری، بیان القرآن، تمہید، ب 2۔

[11] مقدمہ فی اصول التفسیر، 11۔

پٹھاوی۔ مفاتیح الغیب از امام فخر الدین رازی (م404ھ)، البحر المحیط از ابو حیان اندلسی (م745ھ)، تفسیر القرآن العظیم ابن کثیر الدمشقی (م774ھ)، روح المعانی فی تفسیر القرآن والسبع المثانی از ابوالفضل شہاب الدین آلوسی (م۱۲۷۰ھ)، فتح البیان فی مقاصد القرآن از نواب صدیق حسن خان بھوپالی (م1307ھ)[12] شامل ہیں۔

ماٰخذ مذکورہ کا استعمال اور استفادہ

بیان القرآن کا عمیق مطالعہ انسان کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے کہ صاحب تفسیر نے جن مصادر کا تذکرہ کیا ہے، ان سے استفادہ کیوں نہیں کیا! نہ تو ان مصادر سے اقوال کو نقل کیا گیا ہے اور نہ ہی تقلید سلف ہے، بلکہ اپنی عقل و رائے کو استعمال کرتے ہوئے ذاتی اجتہاد سے زیادہ کام لیا ہے۔ بلکہ ایسے الفاظ کا استعمال کیا جن سے مخالفین کے موٴقف کو قوی تر کر دیا ہے، مثلا "مفسرین کہتے ہیں"، "بعض نے لکھا ہے"، "کچھ لوگ اس طرف بھی گئے ہیں" وغیرہ۔ البتہ لغوی تشریح کے لیے موٴلف موصوف نے عموماً ماٰخذ کا حوالہ دیا ہے۔ خال خال مقامات پر بیضاوی، ابن کثیر اور روح المعانی وغیرہ کا بھی تذکرہ ملتا ہے۔ ان کا اصل ماخذ مرزا غلام احمد اور حکیم نور الدین ہی رہے، اس کا اقرار اور موٴلف نے خود اپنی تفسیر میں یوں کیا ہے:

> "بالآخر اس بات کا ظاہر کر دینا بھی ضروری ہے کہ گو قرآن شریف کی اس ناچیز خدمت میں میں نے سلف صالحین کی محنت سے بہت فائدہ اٹھایا۔ مگر میری زندگی میں جس شخص نے قرآن کریم کی محبت اور خدمت قرآن کا شوق پیدا کیا وہ اس صدی کے مجدد حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی اور ان کے بعد فہم قرآن میں جس شخص نے مجھے اس راہ پر ڈالا وہ استاذی المکرم حضرت مولوی نور الدین صاحب مرحوم ہیں اگر کسی شخص کو میری اس ناچیز خدمت سے کچھ فائدہ پہنچے تو وہ جہاں میرے لیے دعا کرے ان بزرگوں کے لیے بھی دعا کرے میں محض مٹی ہوں اگر اس میں کچھ خوشبو کسی کو معلوم ہو تو وہ کسی اور کی پھونکی ہوئی ہے۔:
>
> جمال ہم نشین در من اثر کرد
>
> وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم"[13]

کثیر الاستعمال مصدر، کتب لغت اور محمد علی لاہوری کا اسلوب

محمد علی لاہوری نے اپنی تفسیر بیان القرآن کے مقدمہ میں خود واضح کیا ہے کہ: "میں نے قرآن کی تفسیر کرتے ہوئے حل لغت کو مقدم رکھا ہے۔"[14] صاحب تفسیر کے اس قول کی تایید ان کی تفسیر متعدد مقامات پر کرتی دکھائی دیتی

---

[12] لاہوری محمد علی، بیان القرآن، احمدیہ انجمن اشاعت اسلام 1401ھ، تمہید، ب2۔

[13] لاہوری بیان القرآن، تمہید ب۔

ہے۔ محمد علی لاہوری تفسیر کرتے ہوئے سب سے پہلے الفاظ کی معنوی تشریح تفصیلاً بیان کرتے ہیں۔ متعلقہ لفظ کے تمام معنی اور ان کا عمومی استعمال اور قرآن کریم میں اس لفظ کا دیگر مقامات پر استعمال کا حوالہ دیتے اور زیر بحث لاتے ہیں۔مثال کے طور پر"إِنَّ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِي شُغُلٍ فَاكِهُونَ"[15] (تحقیق پیش کے لوگ آج ایک مشغلہ (دھندے) میں ہیں، باتیں کرتے)۔ فَاكِهُونَ: فاکہۃ سب پھلوں کو کہتے ہیں وَفَاكِهَةٍ مِمَّا يَتَخَيَّرُونَ ۔[16] اور وَفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُونَ ۔[17] فَوَاكِهَ جمع ہے سب پھلوں کو کہتے ہیں۔انس والوں کے ساتھ باتیں کرنا ہے۔فاکہ وہ جس کے پاس پھل ہوں اور مزاح کرنے والے کو بھی کہتے ہیں۔ جیساکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت میں ہے **من افکہ الناس مع صبی** یعنی بچوں کے ساتھ بہت مزاح کرنے والے تھے۔اور تفکہ کے معنی ہیں اس نے تعجب لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ[18] اور یہاں معنی نادم ہونا بھی کیے گئے ہیں اور فَاكِهِينَ بِمَا آتَاهُمْ رَبُّهُمْ وَوَقَاهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ۔[19] میں معنی ہیں نعمت والے خوش ہونے والے اور یہی معنی بیان ہوئے ہیں۔[20]

اس امر سے تردد نہ ہے کہ ایک ہی مقام پر مختلف الفاظ کے معانی کا مجموعہ قاری کو مل گیا ہے، مگر جب ہم تصویر کا دوسرا رخ ملاحظہ کرتے ہیں تو معلوم یہ ہوتا ہے کہ یہ انداز مشکل ترین ہے۔ عوام کیا اس سے خواص کیلئے بھی استفادہ مشکل ہے۔اور تمام حقیقتوں کو خلط ملط کرکے اس انداز سے پیش کر دیا گیا ہے کہ کسی بھی امر کا تعین نہ ہوسکے۔ حالانکہ مؤلف موصوف نے خود اپنی تفسیر کے دیباچہ، تمہید میں ذکر کیا ہے کہ "یہ تفسیر عامۃ الناس کے لیے لکھی گئی ہے۔"[21] اور اس مشکل کا مؤلف نے خود بھی اعتراف کیا ہے۔

> "تمام قارئین کو لغت کے حصہ سے دلچسپی نہ ہوگی اور مفردات کی فلسفیانہ بحث ان کو تفصیل بھی معلوم ہو لیکن تفسیری حواشی اس کے بغیر نامکمل ہوتے ہیں میرا منشاء یہ بھی ہے کہ مسلمانوں میں

---

14 لاہوری بیان القرآن، تمہید ب۔

15 یٰسین36: 55۔

16 الواقعہ56: 20۔

17 المرسلت77: 42۔

18 الواقعہ56: 65۔

19 الطور52: 18۔

20 لاہوری، بیان القرآن1143/2۔

21 لاہوری بیان القرآن، تمہید، ب۔

درس وتدریس کا سلسلہ عام طور پر جاری ہو اور یہ عربی بغیر حل لغت حاصل نہ ہو سکتی تھی۔ عام قاری حصہ لغت کو ترک کر سکتا ہے۔"[22]

توضیحِ آیت واخذِ مضامین

آیت زیر تفسیر کی لغوی تشریح بیان کرنے کے بعد صاحب تفسیر زیر تفسیر آیت سے مضامین کا استنباط کرتے ہیں۔ اور ایک ہی وقت میں ایک ہی آیت سے کبھی کبھی ایک ایک اور کبھی کبھی کئی کئی مضامین کا استنباط کرتے ہے، جس کے لئے ذیلی عنوان قائم کرکے اس کو قوسین میں نمایاں کرکے دکھاتے ہیں۔ صاحب تفسیر کے نزدیک آیت کا منشا و مقصود یہی مضامین ہیں۔ اس لئے اس کی تفسیر انھی مضامین کی وضاحت و تشریح کے گرد گھومتی ہے۔ اس لیے آیت سے اخذِ مضامین ہی کو تفسیر بیان القرآن کی انفرادیت اور امتیاز قرار دیا گیا ہے۔

مضامین کا تنوع

تفسیر کے مضامین میں اتنا تنوع ہے کہ ایک کا دوسرے سے دور کا بھی شاید تعلق نہ ہو اور نہ ہی ان نکات کو آج تک سلف صالحین اور اکابر مفسرین نے بیان کیا ہے۔ نمونہ ذیل کی سطور میں ملاحظہ فرمایے:

1۔ وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً[23]

اس کی تفسیر میں نو مضمون اخذ کیے ہیں۔

اللہ کا قول، فرشتوں کا وجود، وحی الٰہی خارجی شے ہے، فرشتے قوی کا نام نہیں، ذریت آدم خلیفہ ہے، ضرورت نبوت، انسان کے خلیفہ ہونے سے مراد، فرشتوں کا ذکر فساد، ملائکہ کو انسان کی خون ریزی کا علم کیسے ہوا۔[24]

2۔ مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ ۚ وَمَا هُم بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ[25]

آیت مذکورہ بالا میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور میں ہاروت وماروت کا جادو سکھانا کا ذکر ہے۔ کیونکہ اس دور میں یہود اپنی کتاب کو چھوڑ کر جادو سیکھنے سکھانے کے پیچھے پڑ گئے تھے۔ اس سے مولف مذکورہ نے تین مضامین مستنبط کئے ہیں:

فری میسنری، اسلام کے خلاف خفیہ منصوبے، فری میسنری کی اصلیت۔[26] حالانکہ کسی بھی اکابر مفسر نے اس جیسا کوئی نکتہ بیان نہیں کیا۔[27]

---

[22] لاہوری بیان القرآن، تمہید، ب 1۔

[23] البقرہ2: 30۔

[24] لاہوری بیان القرآن، 1/ 25۔

[25] البقرہ2: 102۔

اسباب نزول

جیسا کہ امت مسلمہ کے مسلم اصول تفسیر ہیں اس امر پر اتفاق ہے کہ سلف صالحین سے منقول روایات شان نزول کو کسی بھی تفسیر میں بڑی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ اور یہ بھی ایک مستند ذریعہ ہے۔ مگر مصنف بیان القرآن اس سے صرف نظر کرتے ہوئے آیت کا تعلق سیاق و سباق سے جوڑنے کی انتھک کوشش کرتے ہیں۔ اور اس ضمن میں اپنی عقل وآراء کو بروئے کار لاتے ہوئے تفسیر کرتے ہیں۔ مثلاً " كَيْفَ يَهْدِي اللَّهُ قَوْمًا كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ "[28] علامہ ابن کثیرؒ آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

> "حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک انصاری مرتد ہو کر مشرکین سے جاملا پھر پچھتانے لگا اور اپنی قوم سے کہلوایا کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کرو کیا میری توبہ پھر قبول ہو سکتی ہے۔ ان کے دریافت کرنے پر یہ آیات اتریں۔ اس کی قوم نے اسے کہلوا بھیجا وہ پھر توبہ کر کے نئے سرے سے مسلمان ہو کر حاضر ہو گیا۔"[29]

علامہ ابن کثیر نے مسند عبدالرزاق کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حارث بن سویدؓ نے اسلام قبول کیا پھر کفار سے مل گیا اور اسلام سے پھر گیا اس کے بارے یہ آیات اتریں۔ اس کی قوم کے ایک شخص نے یہ آیتیں اسے پڑھ کر سنائیں تو اس نے کہا جہاں تک میرا خیال ہے خدا کی قسم تو سچا ہے، اللہ کے نبی تو مجھ سے بہت زیادہ سچے ہیں اور اللہ تعالیٰ سب سچوں سے زیادہ سچا ہے۔ پھر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹ آئے اسلام لائے اور بہت ہی اچھی طرح اسلام کو نبھایا۔[30]

جمال الدین قاسمی آیت مذکورہ بالا کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس سے مراد اہل کتاب اور وہ مسلمان مراد ہیں جو ایمان لانے کے بعد مرتد ہوگئے۔ اور آیت إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِن بَعْدِ ذَٰلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (5:24) کی تفسیر کے تحت مرتدین سے متعلق روایات نقل کر دی ہیں۔[31]

---

[26] بیان القرآن، 64/1۔

[27] بیضاوی، ناصر الدین، ابو سعید عبداللہ بن عمر (م 685ھ)، انوار التنزیل واسرار التاویل (بیروت دار الکتب العربیہ 1330ھ)، 22 /1۔

[28] آل عمران 3: 86،90۔

[29] ابن کثیر، تفسیر قرآن العظیم، (لاہور ناشران قرآن)، 1/ 488۔

[30] ابن کثیر، تفسیر قرآن العظیم، (لاہور ناشران قرآن)، 1/ 488۔

[31] القاسمی، محمد جمال الدین (م 1322ھ)، محاسن التاویل (بیروت، داراحیاء والتراث العربی 1415ھ)، 2/ 84،85۔

محمد علی لاہوری نے اپنی تفسیر میں آیات کا موضوع " اہل کتاب کا باوجود مشاہدہ صداقت نبوی سے انکار بتایا ہے۔"[32] جب کہ اکابر مفسرین نے ان آیات کا مقصود و موضوع شان نزول کے اعتبار سے حکم مرتدین بتایا ہے۔[33]

محمد علی لاہوری نے اس ضمن میں لکھا ہے:

> " بعض نے کہا ہے کہ اس آیت میں ایک خاص گروہ کا ذکر ہے جو اسلام لا کر پھر مرتد ہو گئے۔ اور اہل مکہ سے جا ملے میں اہل کتاب کا ہی ذکر ہے اور یہ ہی سیاق و سباق عبارت چاہتا ہے۔ اصل مخاطب تو اہل کتاب ہی ہیں اسلام پر اس قدر کھلے دلائل کے باوجود ان لوگوں نے کوئی توجہ اسلام کی طرف نہ کی۔ **کفرو ابعد ایمانھم** سے یہ مراد ہے کہ وہ پہلے انبیا پر ایمان لائے اور اس کے بعد اب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کفر کرتے ہیں۔ شھدوا ان الرسول حق میں یہ اشارہ ہے کہ در حقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا یہ لوگ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر چکے ہیں جب کہ دوسری جگہ فرمایا: يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ۔[34] دوسری جگہ فرمایا: لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَأَنْتُمْ تَشْهَدُونَ۔[35]

بینات سے مراد وہ کھلے دلائل ہیں جن میں سے کئی ایک یہاں بھی بالتفصیل بیان ہو چکے، اللہ کا ان کو ہدایت نہ دینے سے یا تو یہ مراد ہے کہ ان کو ہدایت کی منزل مقصود پر نہیں پہنچاتا۔ یا یہ کہ ان کو کامیاب نہیں کرتا، جنت میں نہیں پہنچاتا۔ اور یا یہ کہ ایسے ظالموں سے ہدایت کی توفیق چھین لیتا ہے اور یہ ان کے دلائل کی طرف توجہ نہ کرنے اور باوجود مشاہدہ حق کو قبول نہ کرنے کا نتیجہ ہے۔ توبہ کا دروازہ ہمیشہ کھلا ہے۔ اسلام کوئی ایسی مہر کفار کے قلوب پر تجویز نہیں کرتا۔ جو ٹوٹ نہ سکتی ہو۔ ان لوگوں کی زیادتیوں اور کفر پر اصرار وغیرہ کا سارا ذکر کرکے اور ان کی خطرناک سزا کا ذکر کر کے فرماتا ہے۔ پھر بھی جو توبہ کریں اور توبہ کے ساتھ اصلاح کریں وہ اس کے سزا پانے والے نہیں ہوں گے مگر توبہ کے ساتھ اصلاح شرط ہے اور اس پر مغفرت کا وعدہ ہے یعنی ان کی وہ طاقتیں جو ان سے بدیاں کراتی تھیں اللہ تعالیٰ ان سے حفاظت کرے گا[36]

---

[32] لاہوری بیان القرآن، 1/ 243۔

[33] ابن کثیر، تفسیر قرآن العظیم، 488/1۔

[34] البقرہ 2: 146۔

[35] آل عمران 3: 70۔

[36] بیان القرآن، 1/ 243۔

اکابر مفسرین کی تفاسیر اور محمد علی کے نقطہ نظر کی اس ایک جھلک سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ محمد علی لفظ "بعض" کہ کر (حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو چھپا کر) ان کی جس روایت سے اہل کتاب مراد لے رہے ہیں وہ قدیم تفاسیر میں موجود نہیں۔ نیز محمد علی ارتداد کو اس آیت کا موضوع ہی نہیں سمجھتے حالانکہ سلف صالحین اور آئمہ مفسرین نے اس سے قطعی طور پر مرتدین اور ان کے بارے احکامات بیان کیے ہیں۔ اور بظاہر منشاء الٰہیہ بھی یہی ہے۔ جبکہ محمد علی خود تصورات پر اپنی تفسیر کی عمارت کھڑی کر رہے ہیں۔

عقلی اجتہاد اور ذاتی رائے پر اعتماد

محمد علی لاہوری نے قرآن مجید کی آیات کی تفسیر کرتے ہوئے امت مسلمہ کے متفقہ امور و معانی سے ہٹ کر ذاتی عقلی اجتہاد سے کام لیتے ہوئے اپنی رائے پر نہ صرف اعتماد کیا ہے، بلکہ علما مفسرین اکابرین وسابقین اور احادیث مبارکہ سے متعین معنی پر ترجیح دیتے ہوئے اس کو اختیار کیا اور اسی سے مسائل کا استنباط کیا ہے۔ جس کا ایک نمونہ سورۃ النمل کی آیت کریمہ وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ [37] میں مذکورہ "دابۃ من الارض" ہے۔ اکابر مفسرین کی متفقہ رائے نصوص قطعیہ کی روشنی میں یہ ہے کہ یہ ایک عجیب الخلقت جانور ہے۔ جو قرب قیامت میں بغیر توالد وتناسل کے طریق کے زمین سے نکلے گا اور لوگوں سے کلام کرے گا۔ علامہ ابن کثیرؒ نے بحوالہ ابوداؤد طیالسی حضرت طلحہ بن عمرؓ سے ایک طویل حدیث میں روایت کیا ہے کہ یہ دابۃ الارض مکہ مکرمہ میں کوہ صفا سے نکلے گا۔ اور اپنے سر سے مٹی جھاڑتا ہوا مسجد حرام میں حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان پہنچ جائے گا۔ لوگ اس کو دیکھ کر بھاگنے لگیں گے ایک جماعت رہ جائے گی۔ یہ دابہ ان کے چہروں کو ستاروں کی طرح روشن کر دے گا۔ اس کے بعد وہ زمین کی طرف نکلے گا۔ ہر کافر کے چہرے پر کفر کا نشان لگا دے گا۔ کوئی اس کی پکڑ سے بھاگ نہ سکے گا۔[38]

مفتی محمد شفیعؒ نے مسند احمد کے حوالہ سے حضرت حذیفہؓ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی، جب تک تم اس سے پہلے دس نشانیاں نہ دیکھ لو۔ آفتاب کا جانب مغرب طلوع ہونا، دخان، دابہ، خروج یاجوج وماجوج، نزول عیسیٰ علیہ السلام، دجال، تین خسوف ایک مغرب میں دوسرا مشرق میں تیسرا جزیرۃ العرب میں، ایک آگ جو صغر عدن سے نکلے گی اور سب لوگوں کو ہنکا کر میدان حشر کی طرف لے آئیگی جس مقام پر لوگ رات گزارنے کے لئے ٹھہریں گے۔ یہ آگ بھی ٹھہر جائے گی۔ پھر ان کو لے کر چلے گی۔[39]

---

[37] النمل (۲۷) ۸۲۔

[38] ابن کثیر، تفسیر قرآن العظیم، ۴/ ۸۸۔

[39] مفتی شفیع، محمد، معارف القرآن، (کراچی، ادارہ المعارف اگست ۲۰۰۱ء) ۶/ ۶۰۵۔

علامہ ابن کثیرؒ نے حضرت علیؓ حضرت ابن عباسؓ، حسن بصری، قتادہؒ سے ایک معقول ایک روایت بیان کی ہے کہ یہ دابہ لوگوں سے خطاب اور کلام کرے گا۔ جس طرح عام کلام ہوتا ہے۔[40]

گویا اکابر مفسرین کا اس امر پر احادیث مبارکہ کی روشنی میں اتفاق ہے کہ دابۃ الارض قیامت کے نزدیک زمین میں سے نکلنے والا عجیب الخلقت جانور ہے جو لوگوں سے کلام کرے گا۔ جب کہ مذکورہ کی تفسیر میں محمد علی لاہوری لکھتے ہیں:

"دابۃ الارض سے مراد انسان ہے۔ وہ انسان جو زمین پر اس قدر جھک گئے ہیں کہ ان کی نظر خدا کی طرف نہیں اٹھی۔اس سے مراد زمین پر پھیلی ہوئی قومیں ہیں جو مشرق و مغرب میں یکساں پھیل جائیں گی اور مطلب یہ ہے کہ جب مسلمانوں کو آیت اللہ پر وہ یقین نہ رہے گا جو انسان کے اندر قوت عمل پیدا کرتا ہے اور وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو بھی چھوڑ دیں گے۔ تو ان کے لیے بطور سزا ایک ایسی مخلوق نکل پڑے گی جو بالکل زمین پر جھکی ہوتی ہو، جیسی موجودہ عیسائی قومیں۔"[41]

ان تفسیری نکات کا جائزہ لیتے ہوئے یہ بات صدق دل سے کہی جا سکتی ہے کہ محمد علی صاحب کے تفسیری نکات کا جملہ اکابر مفسرین اور بنیادی تفسیری مآخذ سے دور کا واسطہ بھی نہیں اور خالصتاً ان کی اپنی ذہنی اختراع اور اطمینان قلب پر مبنی رائے ہے۔ جس بنا پر ان کی تفسیر کو تفسیر بالرائے مذموم کہنا بے جا نہ ہوگا۔ مولانا ابو الحسن علی ندوی کے مطابق الفاظ کے ظاہری اور کثیر الاستعمال معنی عربیت کے اصول و قواعد، قرآن کے مخاطبین اوّلین کے فہم، آیات کے سیاق و سباق اور احادیث صحیحہ سے صرفِ نظر کرکے قرآن مجید کی تفسیر کرنا، قرآن مجید کی تحریف معنوی اور تلاعُب بالقرآن (قرآن کو کھیل بنا لینا ہے) جو الحاد کا دروازہ کھولتا ہے اور کلام الٰہی کو تختہ مشق اور بازیچہ اطفال بنا دیا ہے اور امت کے بہترین افراد اور بہترین زمانہ کی نافہمی اور جہالت کا ثبوت ہے۔ عرصہ ہوا مرزا غلام احمد صاحب نے سر سید کی تفسیر پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا (مولوی محمد علی صاحب کی تفسیر پر بھی اس سے بہتر تبصرہ ممکن نہیں:

"جو تاویلیں قرآن کریم کی نہ خداوند تعالیٰ کے علم میں تھیں، نہ اُس کے رسول کے علم میں، نہ صحابہ کے علم میں، نہ اولیاء اور قطبوں اور غوثوں اور ابدال کے علم میں اور نہ ان پر دلالت النص نہ اشارۃ النص، وہ سید صاحب کو سوجھیں۔ (آئینہ کمالات اسلام ص ۱۸۴)-"[42]

مولوی عبد الحق اپنے فتویٰ میں لکھتے ہیں۔

---

40 ابن کثیر، تفسیر قرآن العظیم، ۴/ ۸۸۔

41 بیان القرآن، ۲/ ۱۰۳۰۔

42 ندوی ابو الحسن علی، مولانا، قادیانیت مطالعہ و جائزہ (لاہور سید احمد شہید اکیڈمی ۲۰۰۰ء)، ص ۲۱۶۔

محمد علی لاہوری نے اپنی تفسیر میں بے شمار مقامات پر تحریف معنوی اور ایسے تلاعب سے کام کیا ہے جو کہ الحاد کا دروازہ کھولتا ہے۔ نبوت مرزا سے انکار اور مصلح و مجدد کہنے کا راستہ جان بوجھ کر نفاق وتلبیس اور مسلمانوں کو فریب دینے کے لیے اختیار کیا گیا ہے۔[43]

امام ابن تیمیہ کا قول اس پر سند ہے:

"علم دوہی طرح کا ہے ایک یہ کہ نبی کریم ﷺ کی طرف سے سچی روایت کے ساتھ منقول ہو دوسرا یہ کہ دلیل معلوم اس کی پشت پناہی کر رہی ہو ان دونوں کے علاہ سب کچھ کھوٹے سکے کی مانند ہے۔"[44]

خلاصۃ البحث

محمد علی لاہوری(1874ء تا 1951ء) نے غلام احمد قادیانی کے پاس قادیان میں رہ کر اس کی فکر اور خیالات کو اس کی کتب کے ذریعہ اور براہ راست حاصل کیا اور قرآنی فہم مولوی حکیم نور الدین خلیفہ اوّل مرزا غلام احمد قادیانی سے حاصل کیا۔ محمد علی لاہوری کی تفسیر وترجمہ قرآن "بیان القرآن" امت مسلمہ کے متفقہ اصول تفسیر سے ہٹ کر لکھی گئی ہے۔ محمد علی لاہوری کے پیش نظر لغت اور ذاتی رائے اور غلام احمد قادیانی کے الہامات و مکاشفات اور حکیم نور الدین کے ارشادات رہے ہیں، جن کی روشنی میں انھوں نے اپنے باطل مخصوص عقائد کو دور از کار تاویلات کے ذریعے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس ضمن میں قرآن کی تفسیر بالقرآن واحادیث صحیحہ اور اقوال صحابہؓ واسلاف کو یک جنبش قلم مسترد کیے رکھا ہے، کیونکہ ان کے نزدیک یہ چیزیں حجت نہیں۔ جدید دور کو مد نظر رکھتے ہوئے جدید نظریات سے ہم آہنگ قرآنی مطالب و مفاہیم ہونے چاہیے۔ اس غرض سے انھوں نے عربی لغت کا سہارا لیا ہے اور یہی ان کے نزدیک بنیادی اور لازمی مآخذ ہے۔ جبکہ آئمۂ امت کے نزدیک محض لغت کی بنیاد پر قرآن فہمی محمود نہیں بلکہ مذموم ہے۔

محمد علی لاہور نے اپنے بیان کردہ مصادر و مآخذ، امہات کتب اور صحیح بخاری کا تذکرہ ضرور کیا ہے، مگر ان سے اس حد تک تو استفادہ کیا ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے موقف کو تائید دلانے کیلئے سیاق وسباق کو قطع کیا یا توڑ موڑ کر مطلب کو ہم آہنگ بنانے کی کوشش کی ہے اور خواہش نفس، ذاتی میلان اور محض عقلی دلیلوں کو اختیار کیا ہے اور قرآنی آیات کو اپنے ذاتی وضع کردہ اور انحرافی عقائد و نظریات سے ہم آہنگ کیا اور ان کے لیے قرآنی تصدیق چاہی ہے تمام معجزات کو عقل کے تابع بنانے کی کوشش کی ہے۔

---

43 حقانی، عبدالحق، فتاوٰی حقانیہ (اکوڑہ خٹک، دارالعلوم ۲۰۰۲ء) ۱/ ۳۹۸

44 مقدمہ فی اصول التفسیر ص ا

زیرِ نظر مطالعے سے یہ حقیقت اظہر من الشّمس ہو جاتی ہے کہ مفسر مذکور نے کئی مقامات پر صریح ٹھوکر کھائی ہے اور عملاً قرآن کریم کے مفاہیم کو محض اپنے پیشوا کی تعلیمات کو تاویل بخشنے اور ذاتی ذہنی اختراع کی تائید کے لیے معنوی تحریف کی ہے، اور ان حقیقی معنوں سے صرف نظر کیا ہے جس پر قرآنی الفاظ وآیات اور اجماع امت وسلف صالحین دلالت کرتے ہیں۔